شہرِ دل
محسن زیدی

محسن زیدی

مرکزِ ادب
نیا محلہ، پُل بنگش، دہلی ۶

شہرِ دل

نام مصنف : محسن زیدی

پیدائش : ۱۰ر جولائی ۱۹۳۵ء

وطن : بہرائچ (اتر پردیش)

تعلیم : بی۔اے۔ الہ آباد یونی ورسٹی

ایم۔اے (معاشیات) لکھنؤ یونی ورسٹی

قیام : دہلی

کے معمار

پیش لفظ : سید احتشام حسین

انتخاب و ترتیب : راج نرائن راز

تعاون و اشتراک : رضیہ کاظم رضا

عمیق حنفی۔ خواجہ مقبول احمد

ساغر مہدی

سرورق : جسونت سنگھ

کتابت : سید ابو جعفر زیدی

ناشر : مرکز ادب

۸۹۷ر۱ نیا محلہ، پل بنگش، دہلی ۶

مطبع : یونین پرنٹنگ پریس، اردو بازار، دہلی

بار اوّل اگست ۱۹۶۱ء

تعداد گیارہ سو

قیمت ۲ روپے

ترتیب

۱	نہ خاک اڑائی نہ دامن کو تار تار کیا	۱۷
۲	کئی راتوں سے ہے تاریک تر بھی	۲۰
۳	نہ فکرِ خار، نہ پروائے آبلہ پائی	۲۲
۴	ہم بے ثبات ہیں نہ زمانہ ہے بے ثبات	۲۴
۵	کسی کے ساتھ جب گزرے ہوئے دن یاد آتے ہیں	۲۶
۶	ہنسنے کو تو ہنستے ہیں پر اب کون بتائے	۲۸
۷	جب زمانے کا ستم یاد آیا	۳۰
۸	عقل تاریک ہو دھواں جیسے	۳۲

۹	تو ہی بتا دے گردشِ ایّام کیا کریں	۳۴
۱۰	یادوں کے قافلے جو شبِ غم گزر گئے	۳۶
۱۱	صرف نظروں ہی کے دھوکے ہیں سہارے تو نہیں	۳۸
۱۲	کتنے طوفانِ حوادث تھے جو سر سے گزرے	۴۰
۱۳	دل سے ترا خیال گریزاں گزر گیا	۴۲
۱۴	چاکِ دامن تو سیا ہے یارو	۴۴
۱۵	جینے کا سہارا دلِ ناکام بہت ہے	۴۷
۱۶	کلیسا کی نہ کچھ دیر و حرم کی بات کرتے ہیں	۴۹
۱۷	سینہ فگار و چاک گریباں رہے ہیں ہم	۵۱
۱۸	بے نُور سے اِن ڈوبتے تاروں کی طرف دیکھ	۵۳
۱۹	جب بھی کوئی پھول کِھلا ہے	۵۵
۲۰	اب ان کی یاد بھی دل پہ ہے بار کیا کہئے	۵۷
۲۱	تاریک غم کی شب ہے مگر مختصر بھی ہے	۵۹
۲۲	حال پوچھو نہ غم کے ماروں کا	۶۱
۲۳	ہم کو جہاں میں ایسے بھی اہلِ کرم ملے	۶۳
۲۴	نہ رقصِ غنچہ و گل ہے نہ رقصِ موجِ صبا	۶۵
۲۵	آندھیوں میں ہیں ہم اِک شمع فروزاں ساقی	۶۷
۲۶	لے کر نشاطِ روح کا پیغام آ گیا	۷۰
۲۷	کوئی بیگانہ ہے نہ اپنا ہے	۷۳

۲۸	دل میں اک تیرا ہی ارماں ہوتا	۷۵
۲۹	جام چھلکانا پڑے یا اشکِ غم پینا پڑے	۷۷
۳۰	تم نہ ہو تو چمن بھی اک بن ہے	۷۹
۳۱	آشفتہ سر و چاک گریبان رہے ہیں	۸۲
۳۲	ہم نے تیرا غم اپنایا اور اتنے رنجور ہوئے	۸۴
۳۳	تلخیوں میں کیف کا ساماں نظر آنے لگا	۸۶
۳۴	وحشتِ بے برگ و بار دیکھا ہے	۸۸
۳۵	مثلِ صبا چمن میں پریشان سے رہے	۹۰
۳۶	گو وضعِ عاشقی سے گریزاں نہیں ہوں میں	۹۲
۳۷	دے کے تسکین غم گسار ہمیں	۹۴
۳۸	عشق میں نفع کہاں ہوتا ہے	۹۶
۳۹	سرِ خانہ ہمیں شام کو دیکھا ہوتا	۹۹
۴۰	یہ کس کی وفا کا ذکر چھڑا	۱۰۱
۴۱	یہ عشقِ نامراد ہی مانوسِ غم رہا	۱۰۳
۴۲	پھر اُس دل کی حالت کیا ہو	۱۰۵
۴۳	نظر بھی کھا گئی دھوکا فریب دل کو کیا کہئے	۱۰۷
۴۴	اپنی جفا پر آپ پشیمان ہو گئے	۱۰۹
۴۵	آپ سے جب دوستی کرنی پڑی	۱۱۱
۴۶	زلفِ دوتا سے طوقِ گراں تک پہنچ گئے	۱۱۳

۴۷	کلی کا حسن گلوں کا نکھار ہیں ہم لوگ	۱۱۵
۴۸	اہلِ چمن نے یہ بھی کیا ہے کبھی کبھی	۱۱۸
۴۹	چھوڑ گئے سب دل کا ساتھ	۱۲۰
۵۰	تیرے غم سے کہاں نجات ہمیں	۱۲۳
۵۱	جب بھی گزرے ہوئے لمحات کی یاد آتی ہے	۱۲۵
۵۲	جھونکے نسیم کے جو بیاباں میں آئے ہیں	۱۲۷
۵۳	تیری نگاہِ لطف کو جب نیشتر کہیں	۱۲۹
۵۴	اس میں یہ تاب و تب عشق کہاں تھی پہلے	۱۳۱
۵۵	چھوڑ کر ہم کو بے قرار چلے	۱۳۳

اِنتساب

والدِ محترم

سید علی رضا صاحب زیدی

کے نام

پیش لفظ

جس نے "مذہبِ عشق" اختیار کیا تھا، معلوم نہیں وہ کافر تھا یا نہیں لیکن جس نے شعر و سخن کے ذریعہ اس مذہب کو دوام بخشنے کی ابتداء کی اُس کے کافر ہونے میں تو کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا۔ شاید اسی وجہ سے ہمارے بعض نقادوں نے عشقیہ شاعری کی نمائندہ صنف غزل کو ایک "کافر" صنفِ سخن قرار دیا ہے جس کے جادو پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔ اس کے انتشار میں ترتیب، نیم وحشیانہ بے ربطی میں آہنگ، تضاد میں یکرنگی اور سادگی میں پُرکاری دیکھ کر برابر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ "اضداد" کے اس مجموعہ میں کوئی ایسا بنیادی عنصر ضرور موجود ہے جو وحدتِ تاثر کی تخلیق کرتا ہے اور اس منزل پر پہونچ کر اظہارِ محض بھی فن کا پیکر اختیار کر لیتا ہے۔ یہی چیز غزل کی کامیابی کی ضامن ہے۔ یہ صرف ایک صنفِ سخن نہیں ہے۔ شخصیت کے بعض پہلوؤں کا

اظہار بھی ہے۔ میں یہ بات مختلف شکلوں میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ غزل انسان کی جذباتی فطرت اور اس کی رنگا رنگی سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے دل و دماغ کو بہت جلد متاثر کرتی ہے اور نقادوں کے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ شاعری صرف غزل گوئی کا نام نہیں ہے، ہر دلعزیزی حاصل کرلیتی ہے۔ اگر غزل گو محض چبائے ہوئے نوالے نہ چبائے، محسوسات اور جذبات کا بیان صرف معلومات کی بنا پر نہ کرے اور بندھے ٹکے فقرے اور جملے ہی اس کا سرمایۂ اظہار نہ ہوں تو اثر انگیزی اس کی خصوصیت ہے۔ محسن زیدی کی غزلیں پڑھ کر اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے محسوسات اور خیالات خود اُن کے ہیں جنھیں انھوں نے اپنے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ یہی بات ان کے اشعار میں اثر انگیزی کی ضامن بن جاتی ہے۔

ہر غزل میں نہ تو آفاقی صداقتیں ہوتی ہیں اور نہ بلند پایہ پیغامات لیکن جو "امور قلبیہ اور وارداتِ ذہنیہ" سچائی، سادگی اور صفائی سے بیان ہو جاتے ہیں وہ بھی دلوں میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔ شہر دل کے بہت سے اشعار نے مجھے اسی حیثیت سے متوجہ کیا ہے۔ ان میں ایک جوان دل و دماغ کی دھڑکنیں اور کاوشیں مخلصانہ سادگی سے بیان ہوئی ہیں۔ محسن زیدی کے لہجے میں ایک

دھیما پن، ہلکی ہلکی آنچ سے گرمی پیدا کرنے والی ایک کیفیت ہے جو اُن کے گدازِ دل سے آشنا کرتی ہے۔ یہاں جذبات کی کارفرمائی کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ سطح پر موجوں کی رفتار بہت تیز نہیں معلوم ہوتی لیکن سطح کے نیچے اچھا خاصا ہیجان نظر آتا ہے۔ اظہار کے نقطۂ نظر سے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ انھوں نے کنایوں سے بہت کام لیا ہے، واضح بیان کے بجائے ایمائیت اور تشریح کے بجائے اشاریت نے چپکے سے کچھ کہہ کر اثر پیدا کر لینے میں مدد دی ہے۔ اس سے انھیں کئی حیثیتوں سے فائدہ پہنچا ہے۔ اوّل تو یہ کہ سادہ بیانی کے باوجود اشعار میں معنوی تہیں پیدا ہو گئی ہیں، دوسرے یہ کہ عام محسوسات کے اظہار میں بھی تازگیِ بیان کے پہلو نکل آئے ہیں اور تیسرے یہ کہ غزل کی رمزیت اور ایجاز کا حُسن برقرار رہا ہے۔ چند اشعار سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

نہ جانے کیا ہوئے پلکوں سے آنسو
نہیں کوئی چراغِ رہ گزر بھی

ہم بے ثبات ہیں نہ زمانہ ہے بے ثبات
ایسے شکوک دل میں نہ لاؤ حسیں ہے رات

دل کو ٹھکرا کے سرِ بزمِ نشاط
آپ کو ساغرِ جم یاد آیا

ابھی محسنؔ زیدی کی شاعری کی عمر بہت مختصر ہے لیکن اُن کے حساس دل اور سوچنے والے دماغ نے اپنے گرد و پیش کی دنیا کو غور سے دیکھا ہے، اس لئے عصری زندگی کے اثرات بھی مترنم ہو کر ان کے خیالات کا جزو بن گئے ہیں۔ وہ محض اپنے من کی دنیا میں کھوئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اس کے دریچے باہر کی طرف بھی کھول رکھے ہیں۔ وہاں سے انھیں جو کچھ نظر آتا ہے اس کی پرچھائیاں بھی ان کی غزلوں پر پڑ رہی ہیں۔ مجھے ان اشعار میں اس کیفیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اب کیا بتائیں کیا وہ تقاضے ہیں زیست کے
جینے پہ اہلِ غم کو جو مجبور کر گئے

ابھی تک صرف تھی ہم کو شکایت موجِ طوفاں سے
مگر اب فتنہ ہائے دامنِ ساحل کو کیا کہئے

اہلِ چمن نے یہ بھی کیا ہے کبھی کبھی
خود ہی چمن کو لوٹ لیا ہے کبھی کبھی

محسنؔ زیدی کی ابتدا ایک اچھے غزل گو کی ابتدا ہے۔ اُن

کے اشعار میں کیف اور تازگی اور خیالات میں رعنائی ہے۔ انھیں اپنے تجربات کی انفرادیت اور ماحول کی رنگارنگی کا احساس ہے اور ان کے تعلق کو اپنے انداز سے ظاہر کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ ابھی ان کا رنگ تغزل اور نکھرے گا اور تجربوں کی گوناگونی، جذبات اور تصورات میں اور گہرائی پیدا کرے گی۔ اگر وہ ایسے اشعار لکھتے رہے تو ان کا مستقبل روشن ہے۔

اس کارگہِ شوق میں جادوئے خرد نے
جتنے ہی صنم توڑے ہیں اتنے ہی بنائے

کبھی بچ کر نکل جاتے ہیں طوفانوں سے بھی محسن
کبھی ساحل پہ آکر بھی سفینے ڈوب جاتے ہیں

ترکِ وفا کی بات ہو یا شکوۂ جفا
آئے گا عشق ہی پہ ہر الزام کیا کریں

ظلمتِ شب میں چمک جاتے ہیں کچھ جگنو سے
قافلے والو! یہ منزل کے اشارے تو نہیں

جن کو ملا نہ آپ کا دامن وہ اشکِ غم
نوکِ مژہ پہ آکے پشیمان سے رہے

زلف سے دار تک جو پیش آئے
یاد ہیں سارے واقعات ہمیں

محسنؔ زیدی کے اس مختصر سے پہلے مجموعے کو اہلِ ذوق سے متعارف کرتے ہوئے مجھے خوشی ہے۔

۱۶ر اپریل سنہ ۱۹۶۱ء

سید احتشام حسین

نہ خاک اُڑائی، نہ دامن کو تار تار کیا
جنوں میں ہم نے نیا رنگ اختیار کیا

یہ کس کی یاد نے دہکا دیئے چمن کے چمن
یہ کس نے دل کو مرے رشکِ لالہ زار کیا

ہر ایک غم ہے تمہارے ہی غم کی پرچھائیں
غمِ جہاں سے اِسی غم نے ہم کنار کیا

کسی سے کر کے محبت ہمیں ہوا احساس
کہ ہم نے جیسے محبت کو شرمسار کیا

ستم کی رسم نئی تو نہیں کہ دُنیا نے
ہمیشہ اہلِ محبت کو سنگسار کیا

جگر تھے چاک ہزاروں ہی پردۂ گُل میں
مگر کسی نے نہ اندازۂ بہار کیا

فقیرِ راہِ محبت ہیں ہم جہاں میں ہمیں
مِلا ہے پیار سے جو بھی اُسی سے پیار کیا

جہانِ شوق وہ بازار تھا جہاں ہم نے
سجائی دل کی دُکاں، غم کا کاروبار کیا

وہ رازِ عشق دلوں سے بھی تھے جو پوشیدہ
اُنھیں خموش نگاہوں نے آشکار کیا

وہ اک نگاہ نہ تھی نیشتر سے کم محسنؔ
کہ جس نے اہلِ محبّت کو بے قرار کیا

کئی راتوں سے ہے تاریک تر بھی
مگر یہ شب ہے عنوانِ سحر بھی

بجا کم یابیِ جنسِ ہنر بھی
نظر والوں میں ہیں کچھ کم نظر بھی

بسا اِک بار تو سو بار اُجڑا
نہیں دیکھا کہیں دل سا نگر بھی

ہوئے مانوس کچھ صحرا سے اتنے
کہ دیوانوں کو یاد آیا نہ گھر بھی

تمھاری یاد اِس تنہا سفر میں
ہے شمعِ راہ بھی، رختِ سفر بھی

نہ جانے کیا ہوئے پلکوں سے آنسو
نہیں کوئی چراغِ رہ گزر بھی

گلستاں میں بھی یاد آتا ہے صحرا
کوئی ہم سا نہیں آشفتہ سر بھی

نشاں کوئی نہ کوئی نقشِ محسنؔ
نہ ہوگی راہِ دل سی رہ گزر بھی

نہ فکرِ خار، نہ پروائے آبلہ پائی
بس ایک دُھن ہے چلے جا رہے ہیں سودائی

نگاہ ناز اُٹھی اُٹھ کے جیسے شرمائی
خوشا وہ وقت ہوئی دل کی جب پذیرائی

جہاں پہنچ نہ سکے شہپرِ تخیّل بھی
تری نگاہ وہاں بھی دیے جلا آئی

جنوں کو چند قدم چل کے مِل گئی منزل
بھٹک رہی ہے خرد با وجودِ دانائی

تری ہی زلف سے شوریدگی نصیب ہوئی
تری ہی چشم سے ہم نے جنوں کی شہ پائی

عجب نظامِ گلستاں میں ہے تعطّل سا
چمن میں کوئی کلی کھِل سکی نہ مرجھائی

یہ تیرگی یہ تری یاد کے بجھے سے چراغ
دھواں دھواں سی فضا اور یہ شامِ تنہائی

تجھے خبر بھی ہے محسنؔ کہ آہِ نیم شبی
وقارِ درد کا سارا بھرم گنوا آئی

ہم بے ثبات ہیں نہ زمانہ ہے بے ثبات
ایسے شکوک دل میں نہ لاؤ حسیں ہے رات

خود حُسن سے بھی جن کی تلافی نہ ہو سکے
اس عشقِ نامُراد پہ گزرے وہ سانحات

کیوں کر کتابِ شوق کو ترتیب دے سکیں
دُھندلا گئے ہیں گردِ زمانہ سے واقعات

اَب کے برس چمن میں دِوانوں کو کیا ہُوا
جامہ دری کا شغل نہ بخیہ گری کی بات

کیا کیا فریب عہدِ وفا ہم نے کھائے ہیں
کیا کیا رہی ہیں ہم کو کسی سے توقّعات

تپتا رہا شعور تو جلتا رہا دماغ
اِک آگ تھی کہ جس میں سُلگتی رہی حیات

محسنؔ فسانۂ غمِ دل مختصر کرو
تھرّا رہی ہے شمع کی لَو، ڈھل رہی ہے رات

کسی کے ساتھ جب گزرے ہوئے دن یاد آتے ہیں
تو کچھ نشتر سے دل میں چبھ کے جیسے ٹوٹ جاتے ہیں

جو ہو جاتے ہیں روشن شام سے بھی پیشتر، اکثر
وہ تارے آخرِ شب سے بھی پہلے ڈوب جاتے ہیں

شبِ فرقت ستاروں کی ضیا سے کچھ نہیں ہوتا
شبِ غم آنسوؤں ہی کے ستارے کام آتے ہیں

تمھیں معلوم کیا اے ناقدانِ رندی و مستی
کہ ہم زہرابِ غم پیتے ہیں لیکن مسکراتے ہیں

انھیں نغماتِ غم پہ روحِ فطرت وجد کرتی ہے
جو نغمے دل کے ٹوٹے ساز پہ ہم لوگ گاتے ہیں

کبھی بچ کر نکل جاتے ہیں طوفانوں سے بھی محسنؔ
کبھی ساحل پہ آ کر بھی سفینے ڈوب جاتے ہیں

ہنسنے کو تو ہنستے ہیں پر اَب کون بتائے
ہم کتنے ہی زخموں کو ہیں سینے میں چھپائے

کیا کہیے کہ اک بارِ گراں ہے غمِ دنیا
کتنے ہیں سبک ورنہ تری زلف کے سائے

جب اپنی تباہی پہ نہیں خود بھی میں غم گیں
کیوں میری تباہی پہ کوئی اشک بہائے

بے گانہ وشی جیسے ہو اِس شہر کا دستور
اِس شہر میں آکر ہوئے اپنے بھی پرائے

شاید ہو کسی شب کے مقدّر میں سحر بھی
ہم جاگے ہیں اِک عمر یہی آس لگائے

اس کارگہِ شوق میں جادوئے خرد نے
جِتنے ہی صنم توڑے ہیں اُتنے ہی بنائے

محسنؔ ہے وہی ظلمتِ اوہام ابھی تک
اِک عرصہ ہوا عقل کو فانوس جلائے

جب زمانے کا ستم یاد آیا
تیرا اندازِ کرم یاد آیا

آج اے عافیتِ منزلِ شوق
اپنا ایک ایک قدم یاد آیا

دل کو ٹھکرا کے سرِ بزمِ نشاط
آپ کو ساغرِ جم یاد آیا

اُف وہ عالم! کہ جہاں آپ تو کیا
دلِ برباد بھی کم یاد آیا

اشک اپنے نہ تھمے پھر محسنؔ
جب کوئی دیدۂ نم یاد آیا

عقل تاریک ہو دھواں جیسے
اور جنوں ماہ و کہکشاں جیسے

شہرِ دل ہے کہ اِک خرابہ ہے
تھا نہ کوئی یہاں نشاں جیسے

دل سے یوں اُن کی یاد گزری ہے
نکہتِ گُل کا کارواں جیسے

اُف یہ رنگینیاں زمانے کی
کچھ بہاریں ہوں بے خزاں جیسے

ہو چکے ختم سب ستم گویا
اب زمانہ ہے مہرباں جیسے

آج اُس بزم میں ہوا محسوس
آ سکیں گے نہ پھر یہاں جیسے

دل کا اب کچھ یہ حال ہے محسنؔ
غم کی چلتی ہوں آندھیاں جیسے

تُو ہی بتادے گردشِ ایّام کیا کریں
اب وہ سحر ہے اور نہ وہ شام کیا کریں

ترکِ وفا کی بات ہو یا شکوۂ جفا
آئے گا عشق ہی پہ ہر الزام کیا کریں

ہے خونِ دل بھی اب مئے گُل رنگ کی طرح
ساقی یہ جامِ بادۂ گُل فام کیا کریں

پینے لگے ہیں قاضیِ عالی مقام بھی
رندانِ شہر ترکِ مے و جام کیا کریں

ہر اک چراغِ حسرت و اُمید بُجھ گیا
اب جو ہوا بھی صبح کا ہنگام کیا کریں

یہ انتظارِ دوست، یہ محویتِ تمام
دل ڈوبا جا رہا ہے سرِ شام کیا کریں

یادوں کے قافلے جو شبِ غم گزر گئے
بے چین دل کو اور بھی بے چین کر گئے

تصویرِ زندگی میں نئے رنگ بھر گئے
یہ حادثاتِ وقت بڑا کام کر گئے

یہ عشق ایک آتشِ خاموش تھا مگر
لو دے اٹھیں فضائیں شرارے بکھر گئے

اب کیا بتائیں کیا وہ تقاضے ہیں زیست کے
جینے پہ اہلِ غم کو جو مجبور کر گئے

پھر ہم ہیں اور وہی شبِ تارِ حیات ہے
آوازِ دو کدھر وہ نقیبِ سحر گئے

اس امر میں نہیں ہے کسی ناخدا کا ہاتھ
غرقاب ہو کے بھی جو سفینے اُبھر گئے

محسنؔ! جہاں میں آپ جو محرومِ گل رہے
وہ دامنِ حیات کو پھولوں سے بھر گئے

صرف نظروں ہی کے دھوکے ہیں سہارے تو نہیں
یہ بہ ظاہر جو کنارے ہیں کنارے تو نہیں

چہرہ اُترا نظر آتا ہے مہ و انجم کا
اُن کی بھیگی ہوئی پلکوں پہ ستارے تو نہیں

ظلمتِ شب میں چمک جاتے ہیں کچھ جگنو سے
قافلے والو! یہ منزل کے اشارے تو نہیں

صحنِ گلشن میں جو اک آگ بھڑک اُٹھی ہے
دامنِ گل ہی میں پوشیدہ شرارے تو نہیں

ہر قدم اپنا ہے ہر راہ گزر اپنی ہے
کارواں اب کسی رہبر کے سہارے تو نہیں

مطمئن اپنی تباہی پہ ہیں کیوں دیوانے
شاملِ ذوق اُن آنکھوں کے اشارے تو نہیں

خوش ہیں موجیں کہ ہوا غرق سفینہ محسنؔ
ہم کو یہ ناز کہ طوفان سے ہارے تو نہیں

کتنے طوفانِ حوادث تھے جو سر سے گزرے
ہم مگر خندہ بہ لب گزرے جدھر سے گزرے

بات تو جب ہے کہ ہر موڑ پہ مے خانہ بنے
کاروانِ غمِ ایّام جدھر سے گزرے

ایک دنیا جسے دشوار سمجھ بیٹھی تھی
تیرے دیوانے اُسی راہ گزر سے گزرے

ہیں زمانے پہ غمِ عشق کی راہیں مسدود
کیوں نہ سیلابِ بلا میرے ہی گھر سے گزرے

دلِ ویراں کے سوا اور بھی راہیں تھیں مگر
قافلے غم کے اِسی راہ گزر سے گزرے

پھُول ہی پھُول تھے جس سمت اُدھر ہم نہ گئے
خار ہی خار تھے جس سمت اُدھر سے گزرے

کب سے بیٹھے ہیں سرِ راہ گزر ہم محسن
جانے کب قافلۂ صبح اِدھر سے گزرے

دل سے ترا خیال گریزاں گزر گیا
برسے بغیر ابرِ بہاراں گزر گیا

اب کیا رکھیں گے قید زمان و مکاں ہمیں
اِن منزلوں سے شوقِ فراواں گزر گیا

تجھ بن بھی اس جہان میں جینا پڑا مجھے
دل پر یہ حادثہ بھی مری جاں گزر گیا

آئی تمہاری یاد دبے پاؤں اس طرح
جس طرح کوئی چھو کے رگِ جاں گزر گیا

ویرانیٔ خیال کو اب کوئی کیا کرے
گلشن پہ بھی گمانِ بیاباں گزر گیا

ہم اہلِ مے کدہ سے اُلجھ کر بھی دیکھتا
دامن بچا کے کیوں غمِ دوراں گزر گیا

محسنؔ پھر ان دنوں وہی شورش جنوں کی ہے
ہم تو سمجھ رہے تھے یہ طوفاں گزر گیا

چاکِ دامن تو سیا ہے یارو
چاک دل کی جو قبا ہے یارو!

ہم کو غنچوں کے چٹکنے کی صدا
برتر از بانگِ درا ہے یارو

کون اِس دشت میں دے گا آواز
یہ تو اپنی ہی صدا ہے یارو

اُف وہ عالم کہ اگر خود بھی ہنسے
دل میں نشتر سا چبھا ہے یارو

چارۂ دردِ جہاں ممکن ہے
درِ مے خانہ کھُلا ہے یارو

برگِ آوارہ کے مانند اپنا
کچھ نشاں ہے نہ پتا ہے یارو

اِس سے پہلے تو نہ بہکا تھا کبھی
اوّلیں لغزشِ پا ہے یارو

کیا ہے اس جذبۂ موہوم کا نام
دل میں یہ درد سا کیا ہے یارو

آج ارزاں ہے کچھ اشکوں کی کشید
جام ہر دل کا بھرا ہے یارو

قہقہوں میں غمِ پنہاں کو چھپاؤ
کچھ عجب شرطِ وفا ہے یارو

جینے کا سہارا دلِ ناکام بہت ہے
تھوڑی بھی اگر ہے مئے گُل فام بہت ہے

یہ صبح کا ہنگام سہی راہ نماؤ!
کیا کہیے مگر تیرگیِ شام بہت ہے

شاید کہ نہ راس آئے مجھے تیری محبّت
برگشتہ یونہی گردشِ ایّام بہت ہے

کچھ گردشِ افلاک نہ کچھ گردشِ دوراں
شیشے میں ابھی بادۂ گل فام بہت ہے

وہ دل کہ جو ہے عارض و گیسو کا پجاری
وہ دل حرم و دیر میں بدنام بہت ہے

ہم آج بھی محرومِ مے و جام ہیں محسنؔ
کہنے کو تو ساقی کا کرم عام بہت ہے

کلیسا کی نہ کچھ دیر و حرم کی بات کرتے ہیں
بس اَب ہم اپنے ہی نقشِ قدم کی بات کرتے ہیں

وہ شاید بے خبر ہیں صحنِ گیتی کی بہاروں سے
زمیں پر رہ کے جو باغِ ارم کی بات کرتے ہیں

وہی اکثر رہا کرتے ہیں محرومِ مے و مینا
جو میخانے میں آ کر بیش و کم کی بات کرتے ہیں

وہ شاید میری بربادی پر اَب خود بھی پشیماں ہیں
سُنا ہے اب وہ اکثر میرے غم کی بات کرتے ہیں

جو کہتے تھے کہ جامِ جم سے ہے جامِ سفال اچھا
تعجب ہے وہی اب جامِ جم کی بات کرتے ہیں

سینہ فگار و چاک گریباں رہے ہیں ہم
تجھ پر نثار یوں غمِ دوراں رہے ہیں ہم

ہر دور میں رہی ہے خزاں سے مخالفت
ہر عہد میں نقیبِ بہاراں رہے ہیں ہم

آیا ہے راہِ شوق میں ایسا مقام بھی
مل بھی گئے ہیں وہ تو گریزاں رہے ہیں ہم

جام و سبو سے بھی نہ طبیعت بہل سکی
کتنے ملول اے غمِ دوراں رہے ہیں ہم

روزِ ازل سے وضع جنوں کا رہا ہے پاس
روزِ ازل سے چاک گریباں رہے ہیں ہم

زُلفوں کی چھاؤں میں بھی نہ ہم کو اماں ملی
زلفوں کی چھاؤں میں بھی پریشاں رہے ہیں ہم

محرومِ التفاتِ بہاراں نہیں رہے
شکوہ طرازِ تنگیِ داماں رہے ہیں ہم

جیسے کہ دل میں کوئی تمنّا کبھی نہ تھی
یوں بے نیازِ حسرت وارماں رہے ہیں ہم

محسنؔ اُس انجمن میں شگوفے نہ تھے کہ گل
کیوں کر کہیں کہ خار بہ داماں رہے ہیں ہم

بے نور سے اِن ڈوبتے تاروں کی طرف دیکھ
مستقبلِ زرّیں کے اشاروں کی طرف دیکھ

اُمڈے ہوئے سیلاب کے دھاروں کی طرف دیکھ
اَب خیر نہیں لاکھ کناروں کی طرف دیکھ

اَب صحنِ چمن میں کوئی غنچہ ہے نہ گُل ہے
اب فصلِ بہاروں کے نظاروں کی طرف دیکھ

اے عشق ابھی ترکِ تعلق پہ نہ اِترا
بھیگی ہوئی پلکوں کے اشاروں کی طرف دیکھ

طوفانِ حوادث سے ہراساں نہ ہو محسنؔ
نزدیک کنارے ہیں کناروں کی طرف دیکھ

جب بھی کوئی پھول کِھلا ہے
تازہ دل کا زخم ہُوا ہے

صبح کا تارا کیا ڈوبا ہے
دل بھی جیسے ڈوب رہا ہے

چارہ گر سے بھی کیا ہوگا
دل کا زخم بہت گہرا ہے

عشق اکیلا سرگرداں تھا
حسن بھی اب تنہا تنہا ہے

لب سینا آنسو پی لینا
جینے کی اک یہ بھی اَدا ہے

دل کے سنّاٹے میں اکثر
یادوں نے نغمہ چھیڑا ہے

اُن کی آنکھیں بھی پُرنم ہیں
غم کا بادل یوں برسا ہے

محسنؔ کوئی غم بھی نہیں ہے
جانے کیوں دل بھر آیا ہے

اب اُن کی یاد بھی دل پہ ہے بار کیا کہیئے
یہ فتنہ ہائے غمِ روزگار کیا کہیئے

عجیب کرب سا محسوس کر رہا ہوں میں
عجیب ذہن میں ہے انتشار کیا کہیئے

کوئی نشاں بھی نہیں کوئی کارواں بھی نہیں
دُھواں دُھواں ہے ہر اک رہگزار کیا کہیئے

کسی کے وعدہ و پیماں کو مدّتیں گزریں
مگر یہ محویتِ انتظار کیا کہئے

جہاں سجود تو کیا سر بھی ہو سکے نہ قبول
ہم ایسے در پہ ہیں سجدہ گزار کیا کہئے

ہمیں چمن میں ہیں محروم رنگ و بوئے چمن
ہمیں سے ہے یہ فروغِ بہار کیا کہئے

گزر رہی ہے اب اس طرح زندگی محسنؔ
نہ ہم نوا نہ کوئی غمگسار کیا کہئے

تاریک غم کی شب ہے مگر مختصر بھی ہے
یہ تیرگی دلیلِ نمودِ سحر بھی ہے

اِک دل ہی آرزو کا ٹھکانا ہے دہر میں
جائے کہاں کہ اِس کا کہیں اور گھر بھی ہے

بربادیاں نوشتۂ تقدیر ہی سہی
لیکن شریک اِن میں تمھاری نظر بھی ہے

کس درجہ دل فریب رہِ عشق ہے مگر
ہر شے جو دل فریب ہے وہ پُر خطر بھی ہے

کر دیں نثار جس پہ ہزاروں مسرّتیں
اب کیا پتہ ہمیں کہ وہ غم معتبر بھی ہے

اِس شب میں نورِ صبح کی جن کو ہے جستجو
اُن سر پھروں میں محسنِ آشفتہ سر بھی ہے

حال پوچھو نہ غم کے ماروں کا
زرد چہرہ ہے غم گساروں کا

حوصلہ دیکھئے شراروں کا
پھونک ڈالا جگر بہاروں کا

جینے والے تو یوں بھی جی لیتے
شکریہ آپ کے سہاروں کا

کب تک آخر یہ نالۂ شب گیر
دل دھڑکنے لگا ستاروں کا

کچھ ترے غم کی مہربانی ہے
کچھ کرم بھی ہے غم گساروں کا

میری کشتی جو ڈوب جائے گی
ٹوٹ جائے گا دل کناروں کا

تم نے اِس طرح پرسشِ غم کی
دل دھڑک اُٹھا غم کے ماروں کا

پاؤں گھائل ہوئے تو کیا محسن
رنگ نکھرا تو رہ گزاروں کا

ہم کو جہاں میں ایسے بھی اہلِ کرم ملے
جن کی عنایتوں میں ہزاروں ستم ملے

ممکن ہے اس جہاں میں خوشی ہو بہ قدرِ غم
ہم تو یہ جانتے ہیں ہمیں صرف غم ملے

ہر رہ گزار جیسے ہو تیری ہی رہ گزار
دیکھا جدھر بھی تیرے ہی نقشِ قدم ملے

اِس زندگی میں غم کے سوا کچھ نہیں اگر
وہ خوش نصیب ہیں کہ جنھیں تیرا غم ملے

ہم کو ہے اپنے جامِ سفالیں پر اتنا ناز

ٹھکرا دیئے ہیں ہم نے اگر جامِ جم ملے

اُب تک رُکا ہوا ہے وہیں کاروانِ وقت

وہ زندگی کا موڑ جہاں تم سے ہم ملے

روزِ ازل سوال ہوا کیا عطا کریں

ہم نے کہا کہ غم ہو عطا، چشمِ نم ملے

ہم بے خودیِ شوق میں چلتے چلے گئے

کیا جانے کس جگہ ہمیں دیر و حرم ملے

محسنؔ! نہ پوچھ راہِ محبت کی مشکلیں

ہر ہر قدم پہ ہم کو نئے پیچ و خم ملے

نہ رقصِ غنچہ و گل ہے نہ رقصِ موجِ صبا
یہ کیوں ہے آج گلستاں میں اتنا سنّاٹا

میں سوچتا ہوں کہ اُس دل کا حشر کیا ہوگا
جو تیری زلف کے سایے میں بھی بہل نہ سکا

یہ بات اور ہے کچھ زخم پھُول بن جائیں
وہ درد تم نے جو بخشا ہے کم تو کیا ہوگا

تم اپنی آنکھوں سے یہ اشک پونچھ بھی ڈالو
اُداس اُداس سی ہے چشمِ نرگسِ شہلا

نہ ہے یہ ایک تبسّم یہ اِک اشارۂ ناز
ہزاروں خرمنِ دل جل گئے دُھواں نہ اُٹھا

غمِ حیات بہت تلخ ہی سہی محسن
غمِ حیات میں کچھ دیر دل بہل تو گیا

آندھیوں میں ہیں ہم اِک شمعِ فروزاں ساقی
ہم نہیں کوئی چراغِ تہِ داماں ساقی

وہ بلندی کہ جہاں جلتے ہیں جبریل کے پَر
میری تخئیل وہاں بھی ہے پَر افشاں ساقی

آج کی رات نہ اُٹھیں گے تری بزم سے ہم
آج ہے تیز بہت گردشِ دوراں ساقی

اپنے دامن کو بڑھایا تو کسی نے لیکن
میرے آنسو ہی نہ تھے لائقِ داماں ساقی

دیکھنا یہ ہے کہ ہم بادہ گُساروں کے سوا
کون ہوتا ہے حریفِ غمِ دوراں ساقی

شورِ زنجیر نہ وہ نعرۂ ہُو اپنے بعد
کتنے سُنسان ہیں اَب دشت وبیابان ساقی

ایک مُدّت سے ہیں آوارۂ منزل ہم لوگ
اور منزل ہے کہ نظروں سے ہے پنہاں ساقی

بیٹھے بیٹھے دلِ وحشی کو یہ کیا یاد آیا
چند آنسو اُبھر آئے سرِ مژگاں ساقی

جانے کس لالۂ صحرا کی تمنّا ہے ہمیں
چھانتے پھرتے ہیں ہر دشت و بیاباں ساقی

آج کچھ شاملِ انفاس ہیں نغماتِ نشاط •
بر ربطِ دل پہ ہے یہ کون غزل خواں ساقی

صرف گلشن ہی میں گُل کار نہیں ہیں ہم لوگ
دامنِ دشت میں بھی ہم ہیں گُل افشاں ساقی

زلف و رُخسار بھی ہیں فکر کے عنواں لیکن
ہیں مری فکر کے کچھ اور بھی عنواں ساقی

دل گرفتہ ہی سہی چاک گریباں ہی سہی
تیرا محسنؔ ہے مگر اب بھی غزل خواں ساقی

لے کر نشاطِ روح کا پیغام آگیا
ساغر بہ دست ساقیِ گُل فام آگیا

کیسا گناہ توبہ کہاں کی یہ کیا ہوا
یہ کیا خیال آج سرِ شام آگیا

تابندگی نہ پوچھ کسی کے جمال کی
اک ماہتاب ہے کہ سرِ بام آگیا

لے ہم نے دل کو خاکِ رہِ یار کر دیا
اے عشقِ نامُراد اَب آرام آگیا

تمیزِ خاص و عام پر اب بھی ہوں معترض
حالاں کہ میرے ہاتھ میں بھی جام آگیا

کہنا یہ چاہتا تھا کہ دنیا ہے بے وفا
شرمندہ ہوں کہ لب پہ ترا نام آگیا

حالاں کہ حُسن ہی کی طرف سے ہوئی تھی چھیڑ
لیکن یہ عشق ہی کے سر الزام آگیا

سُنتے ہیں آ گئے ہیں بہاروں کے قافلے
مژدہ کہ قید و بند کا ہنگام آگیا

شرما گئے تعلّقِ باہم کے باوجود

جب میرے ساتھ اُن کا کبھی نام آگیا

محسنؔ! یہ غم کی رات بھی آنکھوں میں کٹ گئی

لو وہ اُفق سے صبح کا پیغام آگیا

کوئی بیگانہ ہے نہ اپنا ہے
بے کسی اک ترا سہارا ہے

اپنا کیا دخل اُن کی محفل میں
اُن کی نظریں ہیں اُن کا جلوہ ہے

آنسوؤں کی بھی روشنی نہ رہی
راہِ غم میں بڑا اندھیرا ہے

وہ خفا ہم سے، اُن کی یاد خفا
یوں بھی کوئی کسی سے روٹھا ہے

اک ترے غم نے دل کا ساتھ دیا
ورنہ دنیا میں کون کس کا ہے

چوٹ کھا کر بھی مسکرا محسنؔ
زندگی کا یہی تقاضا ہے

دل میں اِک تیرا ہی ارماں ہونا
اور ترا دل سے گریزاں ہونا

اِس غمِ عشق پہ بھی مشکل ہے
بے نیازِ غمِ دوراں ہونا

یاد ہے وحشتِ دل کا عالم
اپنے سایے سے گریزاں ہونا

ہم وفا سے نہ پشیماں ہوں کہیں
تم جفا پر نہ پشیماں ہونا

ہم کو دشوار بہت ہے محسنؔ
منزلِ شوق کا آساں ہونا

جام چھلکانا پڑے یا اشکِ غم پینا پڑے
کیا پتہ اے دوست کس انداز سے جینا پڑے

آپ کے جام و سبو بہلا نہیں سکتے اُنھیں
جن کو اپنی آرزوؤں کا لہو پینا پڑے

یہ اندھیرا یہ خموشی یہ سسکتے سے دیے
دیکھئے کب تک اِسی ماحول میں جینا پڑے

چارہ گر کی چارہ سازی سے ہمیں کیا فائدہ
اپنے ہی ہاتھوں سے جب ہر زخم دل سینا پڑے

ہائے محسنؔ اُس دِل ناکام کی مایوسیاں
جس کو اِک موہوم سی اُمید پر جینا پڑے

تم نہ ہو تو چمن بھی اِک بن ہے
تم اگر ہو تو بن بھی گلشن ہے

دل کو تم شہرِ آرزو نہ کہو
آرزوؤں کا ایک مدفن ہے

حُسن کی سادگی پہ مت جاؤ
حُسن کی سادگی بھی پُرفن ہے

میکدہ راہ میں ہے یوں جیسے
تیرگی میں چراغ روشن ہے

عشق میں کیا مسرّتوں کا ملال
دل ہی اپنا خوشی کا دشمن ہے

زُلف کی تیرگی کا کیا کہنا
ان اندھیروں سے بزم روشن ہے

ابر و باراں میں سیرِ گُل وہ کہاں
ہم ہیں اور آنسوؤں کا ساون ہے

جتنے سادہ ہم اہلِ دل ہیں یہاں
اُتنا ہی یہ جہان پُرفن ہے

آج عنوانِ عشق بدلا ہے
میرے آنسو ہیں اُن کا دامن ہے

چاند اور یہ ترا فروغِ حسن
دھوپ میں اک چراغ روشن ہے

شامِ ہجراں سحر بخیر کہ اب
کرب کوئی نہ کوئی اُلجھن ہے

پھول کھل کر چمن میں کہتے ہیں
عشق ازل ہی سے چاک دامن ہے

دل کہ باغ و بہار تھا محسنؔ
آج بربادیوں کا مسکن ہے

آشفتہ سر و چاک گریبان رہے ہیں
دیوانے رقیبِ سر و سامان رہے ہیں

ہم سا بھی پرستارِ ادا کوئی نہ ہوگا
ہم اُن کے ستم کو بھی ادا جان رہے ہیں

گلشن سے بہاروں کے پیام آئے ہیں لیکن
ہم خاکِ بیاباں کی ابھی چھان رہے ہیں

کیا کہئے کہ امیدِ وفا اُن سے ہمیں ہے
جو ذکرِ وفا پر بھی بُرا مان رہے ہیں

تمیزِ گل و خار بھی محسنؔ نہ تھی جن کو
وہ لوگ بھی گلشن کے نگہبان رہے ہیں

ہم نے تیرا غم اپنایا اور اتنے رنجور ہوئے
دل پر جتنے زخم لگے تھے آخر سب ناسور ہوئے

رات کو میخانے کی زینت روکشِ ماہ و انجم تھی
صبح کے ہوتے لیکن سارے شیشہ و ساغر چور ہوئے

دیوانوں نے سوچ لیا تھا تیرے در پہ نہ آئیں گے
دل کے ہاتھوں لیکن وہ کچھ اتنے ہی مجبور ہوئے

ہاتھ میں جب تک جام نہیں تھا شام و سحر بے رونق تھے
ہاتھ میں اپنے جام آتے ہی شام و سحر پُر نور ہوئے

کل تک رسم و راہ تھی ہم سے آج بنے ہیں بیگانہ
رُوپ نگر کے رہنے والے کیوں اتنے مغرور ہوئے

ہم نے یوں تو کتنے ہی نغمے لکھے عشق کے عنواں پر
جو تم سے منسوب ہوئے وہ نغمے ہی مشہور ہوئے

اپنے لئے محسنؔ دنیائے رنگ و بو میں کچھ بھی نہ تھا
ہم تو کسی کے پیار کی خاطر جینے پر مجبور ہوئے

تلخیوں میں کیف کا ساماں نظر آنے لگا
غم میں بھی جینے کا اب امکاں نظر آنے لگا

اک ترے جلووں سے کیا محرومِ نظّارہ ہوا
گلستانِ رنگ و بو ویراں نظر آنے لگا

ہم یہ سمجھے تھے کہ ہے طوفاں فقط منجدھار تک
نزدِ ساحل بھی مگر طوفاں نظر آنے لگا

یوں تری یادوں کی رعنائی سمٹ آئی کہ پھر
مطلعِ تخیل گُل افشاں نظر آنے لگا

کفر کے رازِ نہاں جب منکشف ہونے لگے
کفر میں بھی پرتوِ ایماں نظر آنے لگا

عقل نے جس عیب کو پردوں ہی پردوں میں رکھا
وہ بہ فیضانِ جنوں عریاں نظر آنے لگا

بعد مُدّت کے جو محسنؔ ہم کو آئی اُن کی یاد
یہ جہاں کچھ اور بھی ویراں نظر آنے لگا

دشتِ بے برگ و بار دیکھا ہے
کس نے دل سا دیار دیکھا ہے

عشق پر تنگ ہیں زمان و مکاں
عشق کو بے دیار دیکھا ہے

بزمِ دل اِک وہ بزم ہے کہ جہاں
نت نیا انتشار دیکھا ہے

گُل بہ داماں جہاں جنوں ہے وہاں
عقل کو شعلہ بار دیکھا ہے

عشق گزرا ہے جس طرف ہو کر
منزلوں تک غبار دیکھا ہے

دل کو ہنگامِ عیش بھی محسنؔ
درد سے ہم کنار دیکھا ہے

مثلِ صبا چمن میں پریشان سے رہے
مانندِ گُل کے چاک گریبان سے رہے

جن کو رلا نہ آپ کا دامن وہ اشکِ غم
نوکِ مژہ پہ آکے پشیمان سے رہے

خلوت میں جب ملے تو وہی خود سپردگی
لیکن ملے جو بزم میں انجان سے رہے

جن کو بنے نہ دشمنِ جاں بھی کہے بغیر
وہ لوگ بھی عزیز ہمیں جان سے رہے

جیسے کہ تم کو پا کے نہ ہم تم کو پا سکے
مل کر بھی تم سے ملنے کے ارمان سے رہے

کچھ آشیاں چمن میں تھے اتنے خزاں نصیب
فصلِ بہار میں بھی جو ویران سے رہے

محسنؔ عجیب عالمِ طغیانِ شوق تھا
تا صبح اپنے سینے میں طوفان سے رہے

گو وضعِ عاشقی سے گریزاں نہیں ہوں میں
پابندِ رسمِ چاکِ گریباں نہیں ہوں میں

اپنی جفا سے ہوں وہ پشیمان یا نہ ہوں
لیکن وفا سے اپنی پشیماں نہیں ہوں میں

ہے تیرا انتظار ہی اَب مدّعائے شوق
اَب شکوہ سنجِ وعدہ و پیماں نہیں ہوں میں

میری نظر کے سامنے ہے اک نئی سحر
اِس تیرگیِ شب سے ہراساں نہیں ہوں میں

محسنؔ شکستِ جام پہ اکثر بھر آئی آنکھ
اور اب شکستِ دل پہ بھی گریاں نہیں ہوں میں

دے کے تسکینِ غم گسار ہمیں
کر گئے اور بے قرار ہمیں

شکریہ تیرا کاروبارِ جنوں
نہ رہی فکرِ روزگار ہمیں

تیری بخشش کو کیا کہیں یارب
دل دیا بھی تو داغ دار ہمیں

بوالہوس کے لیے ستم ٹھہری
ہے تری جس ادا سے پیار ہمیں

دل کا بھی کچھ پتہ چلے شاید
بن گئے نقشِ پائے یار ہمیں

نشّہ رہتا ہے روز و شب ہم کو
جانے کس مے کا ہے خمار ہمیں

ہائے اِک لمحۂ شادمانی کا
کر گیا غم سے ہم کنار ہمیں

مقتضائے حیات ہو شاید
یوں ہی رہنے دو اشکبار ہمیں

اپنا مسلک خلوص ہے محسنؔ
ہے ریاکاریوں سے عار ہمیں

عشق میں نفع کہاں ہوتا ہے
نفع ہو بھی تو زیاں ہوتا ہے

دوستو ذکرِ وفا مت چھیڑو
دل پہ یہ ذکر گراں ہوتا ہے

ہائے وہ لمحہ کہ جب کوئی حسیں
دل کی جانب نگراں ہوتا ہے

شعلۂ عشق کہیں روشن ہو
سارے عالم میں دھواں ہوتا ہے

ہائے وہ اشک جو دل ہی میں رہے
آہ وہ غم جو نہاں ہوتا ہے

عشق میں ہوتی ہے جاں راہگزر
اور دل سنگِ نشاں ہوتا ہے

ہے اُجالا کہ اندھیرے کی لکیر
صبح پر شب کا گماں ہوتا ہے

آرزو ہوتی ہے اک نقش برآب
دل کہ اک جوئے رواں ہوتا ہے

آتشِ غم میں ہم اک عمر جلے

کون یوں شعلہ بہ جاں ہوتا ہے

آہ ہو یا کہ ہو آنسو محسنؔ

دردِ بے تابِ بیاں ہوتا ہے

سرمے خانہ ہمیں شام کو دیکھا ہوتا
رقص میں گردشِ ایّام کو دیکھا ہوتا

جس کے آغاز پہ تھا رشک تجھے اے دنیا
تو نے اُس عشق کے انجام کو دیکھا ہوتا

گردشِ وقت ترے ہوش ٹھکانے لگتے
تُو نے گردش میں اگر جام کو دیکھا ہوتا

جس طرح پہلے پہل آپ نے دیکھا تھا کبھی
اُس طرح پھر دلِ ناکام کو دیکھا ہوتا

سینۂ شب میں لپک اُٹھتے ہوں شعلے جیسے
پرتوِ بادۂ گلفام کو دیکھا ہوتا

شام کو شام کے تو روپ میں دیکھا محسن
صبح کے روپ میں بھی شام کو دیکھا ہوتا

یہ کس کی وفا کا ذکر چھڑا
اِک نشتر دل میں ٹوٹ گیا

کیا غم دل کی ویرانی کا
ویرانہ تھا ویران رہا

افشا نہ ہوئیں دل کی باتیں
جو دل نے کہا وہ دل نے سُنا

یہ اہلِ ستم کی محفل ہے
ہم پائیں یہاں کیا دادِ وفا

ہے گُل سے ترا شبنم سے خنک
یہ زیست بھی اِک انگارا

تہذیبِ نو کے ہاتھ سے بھی
چاکِ دلِ انساں سِل نہ سکا

محسنؔ تھے ابھی سرگرم سخن
کیوں ہو گئے چُپ کیا یاد آیا

یہ عشقِ نامراد ہی مانوسِ غم رہا
سامانِ انبساط تو اکثر بہم رہا

اپنی وفا کو دیکھ کر احساس یہ ہوا
تیرا ستم مقابلتہً ہم پہ کم رہا

اشکوں کا آسرا تھا بہت راہِ عشق میں
یہ قافلہ بھی دو ہی قدم چل کے تھم رہا

اِک سیلِ رنگ و نورِ نظر سے گزر گیا
دل مبتلائے تجزیۂ کیف و کم رہا

ہم نے آپ اپنا سفینہ ڈبو دیا
اے ناخداؤ خوب تمہارا بھرم رہا

جس رہگزر پہ ہم نے قدم رکھ دیا تو پھر
اُس رہگزر پہ اپنا ہی نقشِ قدم رہا

محسنؔ جہاں پہ یورشِ آلام دیکھ کر
اپنے غموں کا خود ہمیں احساس کم رہا

پھر اُس دل کی حالت کیا ہو
جس کا ہر ارمان لُٹا ہو

پھول نہیں ہوتا، کانٹا ہو
کوئی تو گلشن میں اپنا ہو

کون ہے ایسا جو دُنیا میں
زہر ہلاہل پی کے جیا ہو

یاد بھی تیری آج نہ آئے
اور بھی سناٹا گہرا ہو

دل غمِ جاناں بھول چلا ہے
اے غمِ دوراں تیرا بھلا ہو

وہ ہو شکارِ تشنہ لبی کیوں
سارا میخانہ جس کا ہو

ہنسنے والوں میں اے محسنؔ
دل سے شاید کوئی ہنسا ہو

نظر بھی کھا گئی دھوکا فریبِ دل کو کیا کہئے
کسی صحرا کو کیا کہئے کسی محمل کو کیا کہئے

ابھی تک صرف تھی ہم کو شکایت موجِ طوفاں سے
مگر اب فتنہ ہائے دامنِ ساحل کو کیا کہئے

وہ محفل جس سے نکلے تھے بہت بے آبرو ہو کر
پھر اُس محفل میں لے آیا ہمیں اِس دل کو کیا کہئے

سفینہ آپ ہی ڈوبا ہے میری آرزوؤں کا
کسی طوفاں کا کیا شکوہ کسی ساحل کو کیا کہئے

بڑی ہی تمکنت سے ہم چلے تھے جانبِ منزل
مگر کہئے تو اَب دشوارئ منزل کو کیا کہئے

اندھیرا بڑھ رہا ہے روشنی کم ہوتی جاتی ہے
یہ رنگِ حال ہے محسنؔ تو مستقبل کو کیا کہئے

اپنی جفا پہ آپ پشیمان ہو گئے
ہم اِس ادا پہ آپ کی قربان ہو گئے

میری نگاہ سے وہ کبھی خود کو دیکھتے
آئینہ دیکھ کر ہی جو حیران ہو گئے

جن راستوں میں لالہ و گُل کے تھے قافلے
راہِ عدم کی طرح وہ سُنسان ہو گئے

اے دوست تیرے حُسنِ گریزاں کا شکریہ
کیا کیا نگاہِ شوق پہ احسان ہو گئے

وہ اشک جو بہا نہ سکے بے کسانِ عشق
ہر داستانِ درد کا عنوان ہو گئے

میں کر رہا تھا صرف گلہ ہائے روزگار
شرمندہ ہوں کہ آپ پشیمان ہو گئے

کہتے تھے اس کو کوئی نگہباں نہ مل سکے
اس دل کے آج خود وہ نگہبان ہو گئے

وہ راستے کہ جن سے گزرنا محال تھا
تم آ گئے جو ساتھ تو آسان ہو گئے

محسنؔ یہ رات اپنے لئے آخری سہی
اس رات سے سحر کے تو امکان ہو گئے

آپ سے جب دوستی کرنی پڑی
ہم کو خود سے دشمنی کرنی پڑی

وہ خیالی بُت ہوں یا پتّھر کے بُت
آدمی کو بندگی کرنی پڑی

کس قدر تاریک تھی شامِ فراق
دل جلا کر روشنی کرنی پڑی

عشق کی ہر منزلِ دشوار میں
حُسن ہی کو رہبری کرنی پڑی

محسنؔ اُس کی مے کشی بھی کیا جسے
خونِ دل سے مے کشی کرنی پڑی

زلفِ دوتا سے طوقِ گراں تک پہنچ گئے
ہم دردِ دل سے دردِ جہاں تک پہنچ گئے

اُٹھّے کہاں سے اور کہاں تک پہنچ گئے
نوکِ مژہ سے تیغ و سناں تک پہنچ گئے

وہ ہاتھ جو اُٹھا بھی نہ سکتے تھے بڑھ کے جام
وہ ہاتھ دستِ پیرِ مغاں تک پہنچ گئے

اہلِ خرد تو تھے ہی اسیرِ توہمات
اہلِ جنوں بھی وہم و گماں تک پہنچ گئے

اب دسترس سے دور نہیں ہیں مہ و نجوم
ذرے زمیں کے کاہکشاں تک پہنچ گئے

محسنؔ وہ گیت جو تھے جوابِ غمِ حیات
وہ گیت بھی تو آہ و فغاں تک پہنچ گئے

کلی کا حسن گلوں کا نکھار ہیں ہم لوگ
تباہ ہو کے بھی باغ و بہار ہیں ہم لوگ

کہو خزاں سے بساط اپنی گلستاں سے اُٹھائے
نقیبِ آمدِ فصلِ بہار ہیں ہم لوگ

ہمیں بجھائیں گی کیا آندھیاں زمانے کی
کوئی چراغِ سرِ رہگزار ہیں ہم لوگ

ہمارے صبر کا پیمانہ ہو چکا لبریز
ہمیں نہ چھیڑو کہ اب شعلہ بار ہیں ہم لوگ

ازل سے رکھتے ہیں حسنِ نظر ہم اہلِ جنوں
ازل سے عشق کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

ہمیں سیاستِ اہلِ جہاں سے کام نہیں
وفا سرشت و محبت شعار ہیں ہم لوگ

مزاجِ عشق تری اِس شگفتگی کے نثار
شکستہ دل ہیں مگر نغمہ بار ہیں ہم لوگ

ہم اہلِ عشق کا دستور ہی نرالا ہے
خطائے حسن پہ بھی شرمسار ہیں ہم لوگ

ہمیں تو خنکیِ شبنم ہے زندگی کی یہ دھوپ
کہ زیرِ سایۂ گیسوئے یار ہیں ہم لوگ

کھُلے ہوئے ہیں سب اسرارِ مے کدہ ہم پر
خرابِ مے ہیں مگر ہوشیار ہیں ہم لوگ

ہمارے عزم کی قندیل گُل تو کیا ہوگی
جو بُجھ سکے نہ کبھی وہ شرار ہیں ہم لوگ

ہمارے قدموں پہ خم ہے جبیں زمانے کی
حریفِ گردشِ لیل و نہار ہیں ہم لوگ

زمانہ دیکھئے رہتا ہے تیشہ زن کب تک
کہ ایک سلسلۂ کوہسار ہیں ہم لوگ

اُبھر رہے ہیں دھندلکوں سے شمع و گُل بن کر
نئی حیات کے نقش و نگار ہیں ہم لوگ

اہلِ چمن نے یہ بھی کیا ہے کبھی کبھی
خود ہی چمن کو لوٹ لیا ہے کبھی کبھی

کچھ سہل کر دیا ہے غمِ روزگار کو
اِتنا تو تیرے غم نے کیا ہے کبھی کبھی

گلشن میں نذرِ خار رہی دامن نہیں ہوا
پھولوں نے بھی تو وار کیا ہے کبھی کبھی

مشکل ہی سے سہی غمِ دوراں کو بھول کر
دل تیرے غم میں رو تو لیا ہے کبھی کبھی

محسنؔ یہ اور بات ہے آنسو نہ تھم سکے
کہنے کو مسکرا تو دیا ہے کبھی کبھی

چھوڑ گئے سب دل کا سات
ساتھ ہے بس اِک ہجر کی رات

کوئی شے ہے غم نہ خوشی
اپنے اپنے محسوسات

دل کا موسم اَب ہے خزاں
آنکھوں کا موسم برسات

دل میں آ کر کیا ہو گے
اِس بگیا میں پھول نہ پات

سانس ہر اک جب آہ بنی
تب جا کر راس آئی حیات

ہجر کا صدمہ صرف نہیں
دل کو بہت سے ہیں صدمات

قصّۂ دردِ دل ہے طویل
رات ہے کتنی، شمعِ حیات

ہائے وہ لمحۂ شوق کہ جب
آئے نہ لب پر دل کی بات

اِس کل چین نہ اُس کل چین
عشق کی یکساں موت وحیات

کر گئے جینے پر مجبور
ان آنکھوں کے پیغامات

ایسا جینا کیا محسنؔ
اشک بہائے جس پہ حیات

تیرے غم سے کہاں نجات ہمیں
تیرا غم ہے غمِ حیات ہمیں

ہم خوشی سے یہ بار اُٹھا لیں گے
سونپ دو غم کی کائنات ہمیں

کتنی شیریں کسی کی یادیں ہیں
قند ہے تلخیِ حیات ہمیں

کاش اے برگ ہائے آوارہ
لے چلو تم اُڑا کے سات ہمیں

تھا ہی کیا اس کے پاس غم کے سوا
اور دیتی بھی کیا حیات ہمیں

زلف سے دار تک جو پیش آئے
یاد ہیں سارے واقعات ہمیں

تیز ہے زندگی کی دھوپ بہت
بخش دو گیسوؤں کی رات ہمیں

ایک کوہِ گراں ہیں ہم محسن
کیا مٹائیں گے حادثات ہمیں

جب بھی گزرے ہوئے لمحات کی یاد آتی ہے
زخمِ احساس کو کچھ اور دُکھا جاتی ہے

اک ہمیں زیرِ فلک نغمہ سرا ہوں جیسے
کوئی بھی ساز ہو اپنی ہی صدا آتی ہے

موت جب آتی ہے اِک حرفِ محبت کے سوا
صفحۂ زیست سے ہر نقش مٹا جاتی ہے

محو رہتے ہیں تری یاد میں ہم کچھ اتنے
کہ شبِ غم بھی دبے پاؤں گزر جاتی ہے

اے غمِ دوست سکوں جب نہیں ملتا ہے کہیں
زندگی تیرے ہی سایے میں اماں پاتی ہے

ایک انجان سا چہرہ ہے کہ یاد آتا ہے
ایک بے نام خلش ہے کہ جو تڑپاتی ہے

ڈوب جاتے ہیں تری یاد کے نغماتِ بھی جب
سازِ احساس پہ تنہائیِ شب گاتی ہے

ہم اُلجھتے نہ کبھی بوالہوسوں سے محسنؔ
کیا کریں آبروئے اہلِ وفا جاتی ہے

جھونکے نسیم کے جو بیاباں میں آئے ہیں
شاید پیام فصلِ بہاراں کے لائے ہیں

اُف رے مزاجِ عشق کی مشکل پسندیاں
جن راستوں میں پھول تھے کانٹے بچھائے ہیں

یا یہ کہ کوئی غم بھی نہ تھا اور رو پڑے
یا یہ کہ غم بہت تھے، مگر مسکرائے ہیں

وہ اک نگاہ، جو ہمیں برباد کر گئی
اُس اک نگہ نے کتنے مُقدّر بنائے ہیں

شادابیِ بہار! تجھے کیا خبر، کہ ہم
دل تو لہو لہو ہے، مگر مُسکرائے ہیں

وہ منزلیں جو پردۂ وہم و گماں میں تھیں
اُن منزلوں پہ جا کے بھی ہم لوٹ آئے ہیں

محسنؔ! بڑھی ہے جتنی زمانے کی بے رُخی
اُتنے ہی اُن کے لطف و کرم یاد آئے ہیں

تیری نگاہِ لطف کو جب نیشتر کہیں
بیداد گر کہیں کہ تجھے چارہ گر کہیں

حدِ تعیّنات سے منزل اُدھر ہے آج
اب کیوں نہ مہر و ماہ کو گردِ سفر کہیں

اے دوست تیرے غم نے بھی دامن چھڑا لیا
اب کوئی غم نہیں کہ جسے معتبر کہیں

آوارگانِ شوق کو منزل سے کیا غرض
منزل کہ جس کو نقشِ سرِ رہ گزر کہیں

کیسے بیاں ہو دل کی تباہی کا ماجرا
کیوں کر مآلِ شمع سرِ رہ گزر کہیں

اُجڑا ہوا دیار سہی دل مگر اِسے
گہوارۂ نسیم و دیارِ سحر کہیں

محسنؔ نہیں ہے ساتھ کوئی راہِ شوق میں
اک گردِ راہ ہے کہ جسے ہم سفر کہیں

اِس میں یہ تاب وتبِ عشق کہاں تھی پہلے
زندگی شمعِ تو، غم کا دھواں تھی پہلے

کچھ عجب کیفیتِ سوزِ نہاں تھی پہلے
جیسے اِک برق سی سینے میں تپاں تھی پہلے

راہِ دل اب جو ہے ویران سی اک راہ گزر
تیرے جلووں کی یہی کاہکشاں تھی پہلے

اب سے پہلے نہ کوئی غم تھا غمِ دل کے سوا
غمِ دوراں کی ہمیں فکر کہاں تھی پہلے

آج ہر سنگ ہے اک پھول ترے غم کے طفیل
زندگی اپنے لئے بارِ گراں تھی پہلے

کیا یہی رنگ جفا کا تھا یہی طرزِ ستم
ایسی ہی کیا روشِ شہرِ بتاں تھی پہلے

اب تو ہر جام میں زہراب بھرا ہو جیسے
اس قدر تلخ تری یاد کہاں تھی پہلے

قریۂ عشق کو ہم سے ملی شہرت محسن
یہ وہ بستی ہے جو بے نام و نشاں تھی پہلے

چھوڑ کر ہم کو بے قرار چلے
ہو کے بیزار غم گُسار چلے

دل میں خوں ہے نہ آنکھ میں آنسو
کس طرح غم کا کاروبار چلے

جن سے اُمیدِ دل نوازی تھی
دل میں وہ بھی چبھو کے خار چلے

شوخ کتنے ہوا کے جھونکے ہیں
لے کے خوشبوئے زلفِ یار چلے

زندگی کے قمار خانے میں
زندگی ہم تجھی کو ہار چلے

دُور ہے صبح درد کے مارو
رات بھر ذکرِ زلفِ یار چلے

گردشِ وقت تیز ہے ساقی!
دورِ پیمانہ بار بار چلے

کون تھا اعتبار کے قابل
کھو کے اپنا ہی اعتبار چلے

ہم خلش کوشِ غمِ گلوں کی جگہ
اپنے دامن میں لے کے خار چلے

ہم گلستاں میں آئے اور محسنؔ
صورتِ بوئے بے قرار چلے